صدسالہ خیر شد

سید محمد فاروق بخاری
گورنمنٹ ڈگری کالج سوپور۔ کشمیر
انڈیا

افادات علامہ محمد انور شاہ کشمیری (محدث)

حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ بیسوی صدی کے ممتاز علماء اور نامور محققین اسلام میں جو مقام و مرتبہ رکھتے ہیں وہ ہر صاحب علم و فضل پر روشن ہے۔ ان کے معاصرین کہتے ہیں کہ شاہ صاحب فقہ و حدیث کے خاص طور پر امام زمان اور حفاظ حدیث کی سلسلۃ الذہب کی آخری کڑی تھے۔

کلام اقبال کے شارح اعظم پروفیسر یوسف سلیم چشتی فرماتے ہیں:

"ہر چند مرحوم ہر فن میں مہارت تامہ رکھتے تھے لیکن
حدیث اور فقہ میں بلا شبہ تمام دنیائے اسلام میں
کوئی شخص اُن کا ہمسر نہ تھا[1]"

اسی طرح ابن خلکان ہند حضرت مولانا حکیم سید عبد الحی حضرت شاہ صاحب کا تذکرہ ان الفاظ سے شروع کرتے ہیں:

الشیخ الفاضل العلامۃ انور شاہ ...... احدُ

---

[1] ارمغان حجاز باشرح، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس دہلی ۱۹۷۲ء، صفحہ ۱۷۲

کبار الفقہاء الحنفیة (وعلماء الحدیث الاجلاءؒ)

مگر جن حضرات کو حضرت شاہ صاحب کو بڑے قریب سے دیکھنے کا موقع ملا وہ یک زبان ہو کر کہتے ہیں کہ حضرت نہ صرف علوم آلیہ (صرف، نحو، بیان و بدیع، عروض وغیرہ) اور علوم عربیہ دینیہ کے بحرِ ذخار تھے بلکہ علوم عقلیہ اور فنون عصریہ کے بھی ماہر کامل تھے۔ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ، جنھیں حضرت کے پاس دوسرے تلامذہ اور ساتھیوں کی بہ نسبت خلوت وجلوت میں بیٹھنے کا زیادہ موقعہ ملا ہے، فرماتے ہیں :

"مطالعہ کے سلسلہ میں فنون عصریہ، فلسفۂ جدیدہ، ہیئتِ جدیدہ، حتیٰ کہ فنِ رمل وجفر کی کتابوں کو بھی مطالعہ سے نہ چھوڑا۔"[۲]

یہ صرف دعویٰ ہی نہیں ہے اور نہ اسے عقیدتمندی پر محمول کیا جا سکتا ہے بلکہ آفتاب کی طرح روشن حقیقت ہے۔ اس حقیقت کی حضرت [illegible]م کے رسائل و امالی سے من وعن تصدیق ہوتی ہے۔ فلسفے پر تو اُن کے مستقل رسائل ہمارے ہاتھوں میں ہیں۔ اس کے علاوہ فیض الباری، انوار المحمود نیز عقیدۃ الاسلام میں فلسفہ، کلام اور معارف الٰہیہ پر مشتمل مسائل کے بارے میں سینکڑوں جواہرات بکھرے ہوئے ہیں۔ مگر افسوس! نہ ان کو آج تک یکجا جمع کرنے کی کوشش کی گئی اور نہ منتشر حالت ہی میں سہی اردو میں منتقل کئے گئے۔ فیض الباری کو اٹھائیے..... اس کے بارے میں حضرت شاہ صاحب کے دوسرے نامور شاگرد مولانا

---

[۱] نزھۃ الخواطر ج ۸، خطوط وحدانی کی عبارت حضرت مولانا ابو الحسن علی ندوی مدظلہ کی ہے۔ جیسا کہ انھوں نے خود تصریح فرمائی ہے۔

[۲] حیاتِ انور : مقالہ حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ۔

حکیم ڈاکٹر سید عبد العلی مرحوم و مغفور (برادر حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی مدظلہٗ) اپنے ایک مکتوب میں یہ خیال ظاہر کرتے ہیں:

"حضرت کے نام سے بخاری کی جو شرح (فیض الباری؟) شائع ہوئی ہے اس میں کبھی وہ مضامین نہیں ہیں جو حضرت کی تقریروں میں ہوتے تھے اور جن مضامین کو حضرت سے بیشتر کسی نے نہیں لکھا ہے۔"[1]

حضرت ڈاکٹر صاحب مرحوم و مغفور کی یہ رائے ان کی فضیلت علمی کی روشن دلیل اور حضرت شاہ صاحب کے مایہ ناز شاگرد ہونے کی کھلی نشانی ہے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ باوجود اس نقص دکمی کے فیض الباری کی چاروں جلد یا صرف عقیدۃ الاسلام فی حیوٰۃ عیسیٰ علیہ السلام اٹھا کر دیکھئے، آپ کو بھی اپنے مخاطب سے وہی کہنا پڑے گا جو ایک محقق، جاحظ (ابو عثمان عمرو) کی کتابیں پڑھ کر اپنے مخاطب سے کہتا ہے:

وانت اذا ادرت نظرك فی ثبت ما صنّف من مصنفات

اخذك الدهش ويملك العجب، لانك تراه لم يكد يترك علماً

معروفاً على زمانه لم يضع فيه مولفاً ولم يدع فنا لم يكتب

فيه مصنفاً[2]

فرق یہ ہے کہ جاحظ نے سب کچھ خود لکھا اور حضرت شاہ صاحب نے کچھ اپنے قلم سے لکھا اور کچھ اپنے نامور اور جلیل القدر تلامذہ سے لکھوایا۔ اسی کے ساتھ اگر اس بات پر افسوس کیا جائے تو بے جا افسوس نہ ہوگا کہ متاخرین فضلاء ہند کی توجہ حضرت کی تصنیفات و امالی کی جانب بہت کم رہی، بلکہ بعضوں نے احساس کمتری یا احساس برتری کی وجہ سے کھلے حقائق پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی۔ یہاں تک کہ اگر آپ علامہ انور شاہ محدث اور علامہ اقبال کے

---

[1] انوار الباری مقدمہ جلد دوم ص ۲۵۷ [2] البیان والتبیین: مطبعہ رحمانیہ، مصر سنہ ۱۹۳۲ء

مابین تعلقات پر اقبالیات کے ماہرین کی تصنیفات کی طرف معلومات حاصل کرنے کی غرض سے رجوع کرنا چاہیں تو کچھ بھی نہ ملے گا۔

حسب ذیل سطور، جو مسئلہ خیر و شر پر حضرت شاہ محمد انور شاہؒ کے افادات کی روشنی میں لکھی گئی ہیں ایسے شخص کے قلم سے ہیں جو ادب عربی کا معمولی طالب علم ہے اگرچہ کلِ فنِ رجال کو مدنظر رکھ کر اس موضوع پر قلم اٹھانا میرا زبردست علمی جرم ہے مگر میری محبت حضرت کے ساتھ معقول نہیں بلکہ جذباتی ہے اس لئے یہاں معافی کی گنجائش ہے۔ اپنی تہی مائگی اور ہیچمیرزی کا پورا اور کھلے دل سے معترف ہو کر یہ سطور ہدیۂ ناظرین کرتا ہوں۔

جس طرح مسئلہ جبر و اختیار، وحدۃ الوجود، حیات بعد الموت، جزاء و سزا وغیرہ میں حضرت شاہ صاحب کا مسلک حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ کی تصنیفاتِ عالیہ سے اکثر و بیشتر ماخوذ ہے اسی طرح مسئلہ خیر و شر بھی وہ حضرت شیخ ہی کے معارف و حقائق کی روشنی میں حل کرتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب کے بارے میں مولانا سید ابو الحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

> کان کثیر الاعجاب بالشیخ محی الدین ابن عربی فی بیان الحقائق و المعارف الالٰھیۃ[1] یعنی حضرت شاہ صاحب کو شیخ اکبر کے معارف الہیہ بیان کرنے میں بڑا تعجب تھا (اور متأثر تھے)۔

بلکہ بقول مولانا محمد منظور صاحب نعمانی "شاہ صاحب خود وقت کے شیخ اکبر تھے[2]۔" جس طرح مولانا عبید اللہ سندھی ولی اللٰہی علوم کے سمندر تھے اسی طرح حضرت شاہ صاحب نے شیخ اکبر کے علوم کو جذب کیا تھا۔ فتوحاتِ مکیہ اور فصوص الحکم کے علاوہ دیگر تصانیفِ شیخ کا حوالہ بھی شاہ صاحب کے رسائل میں ملتا ہے۔ فصوص الحکم کی متعدد شرحیں، جو ابھی تک زیورِ طبع سے بھی آراستہ نہیں ہوئی ہیں، بھی نظر سے گزری تھیں۔ غرض یہ مسئلہ (خیر و شر) بھی شیخ اکبر ہی

---

[1] نزھۃ الخواطر ج ۸۔ [2] حیاتِ انور: مقالہ حضرت مولانا نعمانی

یہاں ماہیات سے اعیانِ ثابتہ مراد ہیں

کے علوم و معارف سے اکثر ماخوذ ہے، اور شاہ صاحب نے نہایت اجمال کے ساتھ اسے بیان کیا ہے۔ وہ ممکنات سے بات شروع کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "اشیاء کونیہ، اعیانِ ثابتہ ہیں" صوفیہ کرام کے نزدیک اشیاء کونیہ، معلومات حق ہیں اور انہی کو ماہیاتِ اشیاء بھی کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو ظاہر کرنا چاہا تو انہی اعیانِ ثابتہ یا صورِ علمیہ کو اپنی تجلّی کے ذریعہ ظاہر کیا۔ کیونکہ اس کے بغیر ظہورِ حق ناممکن تھا۔ "کُن" کے مخاطب بھی یہی اعیانِ ممکنات تھے ورنہ عدم، جب کچھ ہے ہی نہیں تو مخاطب کیسے بن سکتا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ یہی اعیان، جو ذاتِ حق کی طرح ازلی ہیں "ہوجا" کے مخاطب ہوئے بالفاظ دیگر اعیان، آئینہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو مشاہدہ کیا اور مشاہدہ فرما رہے ہیں۔ چونکہ یہ اعیان، کوئی علاحدہ وجود نہیں رکھتے، ذاتِ حق کے وجود ہی سے قائم ہیں، ذاتِ حق ہی کی طرح ازلی ہیں اس لئے اگر کوئی یہ پکارے تو درست پکارتا ہے:

ھُناکَ تجلّیٰ بذاتہٖ علیٰ ذاتہٖ من ذاتہٖ
الیٰ ذاتہٖ فی ذاتہٖ لذاتہٖ[1]

اب جبکہ یہ کائنات، معلوماتِ الٰہی کے بغیر کچھ بھی نہیں ہے تو ان معلومات کی حقیقت کا جاننا بھی ضروری ہے۔ وہ یہ ہے کہ یہ معلومات یا ماہیات معدوم بھی ہیں اور موجود بھی یا حضرت شاہ صاحب کے لفظوں میں "لا موجوداً بحتاً ولا معدوماً محضاً"[2] یہ نہ موجودِ محض ہیں اور نہ معدومِ محض۔ موجودِ محض

---

[1] تحیۃ الاسلام، مجلس علمی ڈابھیل مصنفہ علامہ انور شاہ کشمیری ص ۱۴۱

[2] انوار المحمود فی شرح ابو داؤد، مرتبہ مولانا محمد صدیق نجیب آبادی جمال پرنٹنگ ورکس دہلی ۱۹۳۷ء

اس لئے نہیں ہیں کہ اُن کا اپنا وجود نہیں ہے ، یہ مسلوب الذات اور صفاتِ عدمیہ سے متصف ہیں ۔ اور معدوم محض اس لئے نہیں ہیں کہ معلوماتِ حق ہونے کی وجہ سے ثابت بالذات ہیں۔

معلوم ہوا کہ معلومات یا ماہیاتِ اشیاء معدوم بھی ہیں اور خاص قسم کا وجود رکھنے کی وجہ سے موجود بھی ہیں۔

اِس کے برعکس ان معلومات کے عالم یعنی اللہ تعالیٰ موجود ہی موجود ہیں۔ بلکہ خدا وجود کا سرچشمہ اور خزانہ ہے، عدم کے تمام شوائب سے یکسر پاک ہے، حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں وإن ذاته منزهتاً من شوائب العدم مطلقاً[۱] ۔ چونکہ عرفاء کے نزدیک یہ مسلّم ہے کہ وجود کے نتائج خیرات ہی خیرات جیسے حُسن ، کمال وغیرہ ہوتے ہیں اور عدم کے ثمرات شرور ہی شرور جیسے قبائح ، نقائص وغیرہ ہوتے ہیں اس لئے حق تعالیٰ جس کے بارے میں معلوم ہوا کہ عدم اور عدمیت سے وہ یکسر پاک ہے اس لئے وہ خیر مطلق ہے ۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں :

ما من کمالٍ الا یجبُ ان یکون موجوداً فیہ سبحانہٗ و تعالیٰ علیٰ وجہ التام لانہٗ منبع الوجود و مخزنہٗ[۲]

تمام کمالات کا ذاتِ حق میں علی وجہ التام موجود ہونا ضروری اور لابُدی ہے، کیونکہ وہ وجود کا خزانہ اور سرچشمہ ہے۔

مذکورہ بالا سطور میں اشیاء کونیہ اور حق تعالیٰ (معلومات اور عالم) کے درمیان جس خاص قسم کے تعلق اور پھر کلی مغائرت پر روشنی ڈالی گئی ۔ اس کے نتائج حسب ذیل

---

[۱] انوار المحمود فی شرح ابوداؤد : مرتبہ مولانا محمد صدیق نجیب آبادی ۔ جمال پرنٹنگ ورکس دہلی ۱۹۳۷ء

[۲] انوار المحمود ج ۲

یہ ہیں :

(۱) اللہ تعالیٰ، موجودِ محض ہیں اس لئے خیرِ مطلق اور نقص و قبح سے یکسر پاک ہے۔

(۲) اشیاءِ کون، خاص قسم کا وجود رکھنے کے باوجود معدوم ہیں۔ اس سلئے

بالفاظ حضرت مولانا انور شاہ محدث

خُلِطَ الامران، الخیر والشر، والکمال والنقص والحسن والقبح، اقتضاءً من جانبیہ الوجود والعدم[۱]	یہاں دو متضاد چیزیں مل گئیں خیر اور شر، کمال اور نقص، حسن اور قبح جیسا کہ دو متضاد چیزوں کا تقاضا تھا یعنی عدم اور وجود۔

ذات حق اور مخلوقات کی ذوات (اشیاءِ کونیہ) کی حقیقت معلوم ہونے کے بعد "استعداد" یا "قابلیت" کی بات آگئی۔ معلومات یا اشیاءِ کونیہ جس طرح خود ازلی ہوتی ہیں اسی طرح ان کی قابلیات اور لوازم ذاتیہ بھی ازلی ہوتی ہیں۔ ان لوازم ذاتیہ اور استعدادوں کو اپنی اپنی ذوات سے کبھی علٰحدہ نہیں کیا جاسکتا ہے۔

اب "خیر وشر" کا مسئلہ واضح ہوتا ہے۔ آگے ہم نے بتایا کہ حق تعالیٰ معلومات کو اپنی تجلی کے ذریعہ ظاہر کرتے ہیں تو جب ان معلومات یا ممکنات کا ظہور ہوا تو خود بخود ان کے لوازم ذاتیہ بھی منظر عام پر آئے جو ازازل ان میں موجود ہیں۔ جہاں تک ان کے ازلی ہونے کا تعلق ہے تو یہاں انسان کے مختار اور آزاد ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ جس کے لوازم اور قابلیات اچھے ہوں، وہ ان کا اظہار اپنے رب کی تجلی کے ذریعہ بے روک ٹوک کرسکتا ہے کوئی قید و بندش نہیں ہے،

---

[۱] انوار المحمود ج ۲ ص ۵۴۸۔

[illegible] سیرت نبوت سے

جواب :- تقاضائے ذات ہی ہے +

اور جس کے بُرے ہوں وہ بھی عیاں ہو گا حضرت شاہ صاحب اپنے حسب ذیل اشعار میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہیں :

ویثمر شرّ شرّ ما ینبغی لہٗ ۔۔۔۔ ویزعمہ الظلم الصریح جھول

کا یرات خبث البذر خبث نباتہ ۔۔۔۔ طباعًا ولا یاتیہ قال یقول[1]

یعنی شر کا پھل شر ہی ہوتا ہے مگر جاہل اسے ظلم صریح سمجھتا ہے ۔ جس درخت کا بیج فطرتًا اور ازل سے برا ہوا اس کا سبزہ بھی بُرا ہی ہو گا اور اس میں بے کار باتیں نہیں چلتی ہیں ۔

حضرت شاہ صاحب کا مقصد یوں بھی سمجھا یا جا سکتا ہے کہ اگر ایک روشن شمع کے آس پاس مختلف رنگوں کی شیشیاں رکھی جائیں تو روشنی وہی رنگ (باہر سے) اختیار کرے گی جو جس شیشی کا ہو گا ۔ لبس تجلی حق شمع کی روشنی سمجھنی چاہیئے ، شیشیاں ممکنات یا ماہیاتِ اشیاء ، اور ان کے رنگ ، ان ممکنات اور اعیان کی ازلی قابلیتیں ۔ جو شیشہ جتنا صاف اور شفاف ہو گا وہ اتنا ہی روشن ہو گا اور جو جتنا کالا ہو گا اتنا ہی روشنی سے محروم رہے گا ۔ حالانکہ نہ نفس روشنی میں کوئی رنگ ہے اور نہ روشنی شیشیوں میں سے کسی پر زیادہ پڑتی ہے اور . . . . نہ کسی پر کم ۔

الغرض یہاں تک آدمی آزاد اور مختار ہے ، مگر اس اختیار اور اپنی فطری استعداد کا اظہار کرنے کے لئے کھلی آزادی رکھنے کے باوجود انسان مجبور ہے ۔ اسی راز کی طرف حضرت شاہ صاحب اشارہ کرتے ہیں :

واما اختیار مستقلٌ فانہٗ ۔۔۔۔ محالٌ فلا یسألك عنہ سئول[2]

---

[1] انوار المحمد ج ۲ ص ٥٥٦

[2] ایضًا

یعنی جہاں تک مستقل اختیار اور آزادی کا تعلق ہے تو یہ محال ہے ..... اس کی وجہ یہ ہے کہ اعیانِ ثابتہ بے حس وحرکت ہیں، فعل کی قوت ان میں نہیں ہے۔ بقول حضرت شاہ صاحبؒ:

صفۃٌ لہٗ خلقٌ کذالک وحدہٗ — کصفاتہٖ العظمیٰ فلا تقفان

فعلٌ وفرعٌ من جلالۃِ ذاتہٖ — لولا ما ذا شاب من نقصان[1]

خالق اور فاعلِ حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اللہ کا یہی فعالِ حقیقی اور قادرِ مطلق ہونا انسان کو مجبور بناتا ہے۔ دیکھئے اس نکتے کو کس طرح حضرت شاہ صاحب بیان کرتے ہیں:

وافعالنا منا علیٰ اختیارنا — ولکنہٗ نحو القدیر یؤل[2]

یعنی افعال تو ہم آزادی سے انجام دیتے ہیں مگر معاملہ پھر بھی قدرت والے خدا کی طرف لوٹتا ہے۔ بس اسی قدرت اور فعلِ حق سے جبر کا پہلو نکلتا ہے۔ اگر ہم خلق و فعل کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف نہ کریں تو ہم کھلے مشرک ہیں۔ "خلاق" اور "فعالٌ لما یُرید" وہی ہیں۔ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں:

لا ینسب شیءٌ من الخلق لغیر اللہ تعالیٰ فیکون شریکاً وندّاً ومساویاً لہٗ فی نسبۃ الفعل الیہ[3]

کسی شے کی پیدائش کے بارے میں کوئی بات بھی اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی کی طرف منسوب نہیں کی جاسکتی ہے۔ اس طرح کرنے سے وہ گویا فعل کی نسبت میں اللہ کا شریک وسہیم ہے۔

---

[1] عقیدۃ الاسلام فی حیٰوۃ عیسیٰ علیہ السلام ص ۱۴۱

[2] انوار المحمود ج ۲ ص ۵۵۶

[3] ایضاً ج ۲ ص ۵۵۴

اللہ تعالیٰ کو ہر حال میں بذریعہ تجلی اپنے آپ کو ظاہر کرنا ہے اور یہ ظہور اشیاء یا ممکنات کے ذریعہ ہوتا ہے۔ چونکہ اشیاء اضافتہً معدوم تھے اور اللہ تعالیٰ انھیں کام میں لایا اس لئے مجبور ہیں کیونکہ اب خود بخود ان کے لوازم ذاتیہ اور قابلیتیں وجود میں آئیں گی اب عدم کے صفاتِ قبیحہ بھی نمایاں ہوں گے اور وجود کے صفاتِ حسنہ بھی ظاہر ہوں گے۔ حضرت شاہ صاحب حسب ذیل مثال دے کر یہ پیچیدہ مسئلہ سلجھاتے ہیں:

الشرور والنقائص فانما نشأت من احاطة عدمه بوجوده الخاص كما ينشأ الشكل التربيع والتثليث والاستدارة والمخروطية وغيرها من احاطة ظلال الاشياء الحائلة بذلك النور الواحد المنبسط والممتد المنتشر في الافاق، فليشكل التربيع والتثليث مثلاً، وان لم يكن موجوداً في نفس نور الشمس الا انه ظهر بسبب هذا النور في المحل بلا ريب، لانه احاطه الظل وهو عدم النور، ولولاه لما جل محيطاً ولا محاطاً ولا يظهر هذا الشكل قطعاً۔[1]

یعنی "ممکن" میں شرور اور نقائص پیدا ہونے کا جہاں تک تعلق ہے تو یہ ممکن کی صفت عدمیت کے اس کے خاص قسم کے وجود کو گھیرنے کے سبب سے پیدا ہوتے ہیں۔ جس طرح آفتاب کا نور جب زمین پر پڑتا ہے تو زمین کی جتنی بھی چیزیں از قبیل شجر و حجر وغیرہ اس نور کے سامنے حائل ہوتی ہیں تو یہ روشنی ٹکڑے ٹکڑے ہوتی ہے اور قسم قسم کی شکلیں جیسے مربع، مثلث، گول، مخروطی وغیرہ نمودار ہوتی ہیں۔ حالانکہ آفتاب کا یہ نور پورے اطراف و آفاق میں چھایا اور پھیلا ہوا ہوتا ہے۔ اور یہ شکلیں نفسِ آفتاب میں نہیں ہوتی ہیں۔ بلکہ ان کا وجود خاص خاص جگہوں پر ہوتا ہے جہاں سایہ حائل ہوتا ہے اور سایہ

---

[1] انوار المحمود ج ۲ ص ۵۴۹

عدمِ نور کی علامت ہے ۔ اگر سایہ نہ ہوتا اور
نہ ہی یہ محیط و محاط (گھیرنے والا اور گھیرا ہوا)
ہوتے یہ شکلیں ہی وجود میں نہ آئیں ۔

حضرت شاہ صاحب جہمیہ اور معتزلہ کی بدلائل و براہین ان کے اپنے اپنے مسلک میں غلو کی تردید کرتے ہیں ۔ جہمیہ کو اس لئے کہ وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ بندے کو اصلاً کوئی قدرت نہیں ہے اور معتزلہ کو اس لئے افعال میں قدرتِ حق کی نفی کرتے ہیں ۔ حضرتؒ کی رائے میں مسئلہ، جبر اور قدر کے درمیان ہے فرماتے ہیں : والمذهب الحق لا جبرٌ ولا قدرٌ بل امرٌ بین امرین [۱]

رہا مسئلۂ کسب ، تو اس میں جو بے گرد و غبار حقیقت ہے وہ یہ ہے کہ حرکت اگر ایک ہے مگر نسبتیں دو ہیں ۔ ایک نسبت ، تخلیق اور اختراع کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کی طرف ہے اور دوسری نسبت بندے کی طرف، کہتے ہیں :

إنها مقدورة بقدرة الله تعالى وبقدرة العبد
على وجه آخر يعبّر عنه بالاكتساب [۲]

بندے کو اپنی فطرت کے مطابق یا اپنی ماہیت کے مطابق فعل ظاہر ہونے کی وجہ سے اپنے فعل کے ساتھ نسبت ہے ۔ اور حق کے ساتھ اس لئے نسبت ہے کہ اللہ فاعلِ حقیقی ہے بقول حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

لا يجري في الملكِ والملكوت طرفةُ عينٍ ولا لفتةُ خاطرٍ ولا فلتةُ
ناظرٍ الّا بقضاءِ الله وقدرتِه وبارادتِه ومشيته ، ومنه الشر

---

[۱] انوار المحمود ج ۲ ص ۵۵۵

[۲] ایضاً